اَلْفَضْلُ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

اللّٰہ اکبر

ٹیلیفون نمبر ۹۱

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۵

خطبہ نمبر ۲۳

روزنامہ الفضل قادیان

شرح چندہ پیشگی
سالانہ
ششماہی
سہ ماہی
بیرون ہند سالانہ

قیمت فی پرچہ ایک آنہ

تار کا پتہ الفضل قادیان

THE DAILY
ALFAZL, QADIAN.

جلد ۲۶ | ۲۳ جمادی الاول ۱۳۵۷ ھ | یوم جمعہ | مطابق ۲۲ جولائی ۱۹۳۸ء | نمبر ۱۶۶

خطبہ جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میاں عزیز احمد صاحب مرحوم سے متعلق معاندین کے اعتراضات

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے کیوں جنازہ نہ پڑھا اور جماعت احمدیہ قادیان نے کیوں پڑھا

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

فرمودہ ۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

گو

انفلوئنزا کے حملہ کی وجہ سے

جو اس ہفتہ میں مجھ پر ہوا تھا۔ میں خطبہ کے بوجھ کو اپنے جسم کی طاقت سے بہت زیادہ پاتا ہوں لیکن چونکہ ایک مضمون میں نے شروع کیا ہوا ہے۔ میں نے مناسب سمجھا۔ کہ اُس کا بقیہ حصہ آج ختم کر دوں۔ اور گو جسمانی طاقت کے لحاظ سے مجھے چاہیئے تھا۔ کہ میں نہایت مختصر طور پر خطبہ کہہ کر بیٹھ جاتا۔ لیکن مضمون کو ختم کرنے کی نیت سے میں کوشش کروں گا۔ کہ جس طرح ہو یہ مضمون آج ختم ہو جائے۔

میں نے بیان کیا تھا۔ کہ احرار کی طرف سے بھی دو اعتراض مجھے پہونچے ہیں۔ جن میں سے پہلے اعتراض کا جواب میں نے گزشتہ خطبہ میں دے دیا تھا۔ اب ان اعتراضوں میں سے

صرف ایک اعتراض

باقی رہ گیا ہے۔ اور میں آج اُس کا جواب دینا چاہتا ہوں:

وہ اعتراض یہ تھا۔ کہ میاں عزیز احمد صاحب کے جنازہ میں ہزاروں آدمی شامل ہوئے۔ کیا یہ ہمدردی نہیں۔ اور کیا یہ بغیر حکم کے ہو سکتا تھا۔ اگر ان کو بُرا کہتے ہیں تو اُن کا جنازہ کیوں پڑھا گیا۔ اور اگر جنازہ میں شمولیت بُری نہیں تھی۔ تو خود کیوں جنازہ میں شامل نہیں ہوئے:

پہلے میں اعتراض کے اس حصہ کو لے لیتا ہوں۔ جو میری ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی یہ کہ

میں جنازہ میں کیوں شامل نہیں ہوا

سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ میں اس لئے جنازہ میں شامل نہیں ہوا کہ بوجہ امام جماعت ہونے کے اگر میں جنازے میں شامل ہوتا۔ تو خطرہ تھا۔ کہ بعض نوجوان یہ سمجھ لیتے۔ کہ چلو خلیفہ جنازہ تو پڑھا دیتا ہے۔ اگر ایسا فعل کر لیا۔ تو ان کا جنازہ تو نصیب ہو ہی جائے گا۔

پس آئندہ فتنہ کا سدباب کرنے کے لئے میں نے ایسا کیا۔ اور ان لوگوں کی خیر خواہی کے لئے کیا۔ جو کوئی ہفتہ نہیں جاتا کہ ناقابل برداشت گالیاں نہیں دیتے۔ میں اس وقت ان لوگوں کا ذکر نہیں کرتا۔ جو

ہمارے مخالف

ہیں۔ اور احمدیت میں شامل نہیں ہیں میں ان لوگوں کا بھی ذکر نہیں کرتا۔ جو گو جماعت احمدیہ میں شامل ہیں لیکن شروع سے ہی خلافت کے متعلق ہم سے اختلاف رکھتے ہیں۔ میں ان لوگوں کا بھی ذکر نہیں کرتا۔ جو جماعت سے قریب زمانہ میں علیحدہ ہوئے ہیں۔ اور گو وہ خلافت کے قائل ہیں۔ مگر اس رنگ میں نہیں۔ جس رنگ میں ہم قائل ہیں۔ میں ان لوگوں کا بھی ذکر نہیں کرتا۔ جن کے مونہوں پر خلافت کا عقیدہ ہے۔ مگر ان کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ اور گو ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسے لوگ موجود ہیں۔ اور ان کے دلوں میں احمدیت اور خلافت کے متعلق ویسا ہی بغض ہے۔ جیسے مخرجین یا پیغامیوں کے دلوں میں ہے۔ بلکہ یہ منافق لوگ ان سے بھی زیادہ بغض اور عداوت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ کیونکہ وہ تو گالیاں دے کر اپنے غصہ کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ مگر ان کو چاپلوسیاں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ ان کو خوشامدیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ ان کی منتیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ اور ان کو اپنی زبان سے اپنی

محبت کا اظہار

بھی کرنا پڑتا ہے۔ مگر جس وقت ان کی زبان تعریف کر رہی ہوتی ہے۔ ان کا دل کڑھ رہا اور خون ہو رہا ہوتا ہے اور ان کا نفس انہیں لعنتیں ڈال رہا ہوتا ہے۔ اور کہہ رہا ہوتا ہے۔ کہ اے کمبخت اور لعین تجھے شرم نہیں آتی۔ کہ تو اپنے عقیدہ کے خلاف کسی دنیوی مفاد یا چند پیسوں کے لئے ان کے آگے اپنے ہاتھ پھیلا رہا ہے پس ان کا غصہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور ان کا بغض اور بھی ترقی کر جاتا ہے غرض میں ان لوگوں میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں کر رہا بلکہ

میں ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہوں

جنہیں تم ایک آدمی کہہ لو۔ تم دو آدمی کہہ لو۔ تم سو آدمی کہہ لو۔ تم ہزار آدمی کہہ لو۔ تم دس ہزار آدمی کہہ لو۔ تم لاکھ آدمی کہہ لو۔ مگر بہر حال تمہیں ماننا پڑے گا۔ کہ ایک جماعت ایسی ضرور ہے۔ جو یقین اور وثوق سے خلافت کے ساتھ وابستہ ہے۔ جس کے افراد خلیفہ کی حکومت تسلیم کرنا اپنے ایمان کا جزو قرار دیتے ہیں۔ جو اس کے ہر قول اور فعل پر ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ جو اس میں سے خدا کے وجود کو دیکھتے اور خدا کے وجود میں سے اسے دیکھتے ہیں۔ جو اس بات پر یقین اور ایمان رکھتے ہیں۔ کہ اگر خلیفہ وقت کی دعا اور اس کی برکت ہمیں حاصل ہو جائے۔ تو یہ ہماری نجات کا ذریعہ ہوگا۔ ان لوگوں کے خیالات کو یکسو رکھنے اور انہیں غلط راستہ پر پڑنے سے بچانے کے لئے یہ ضروری تھا۔ کہ اس موقعہ پر کوئی ایسا طریق عمل اختیار کیا جاتا۔ جس کے نتیجہ میں وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جاتے۔ کہ اگر ہم نے ناجائز طور پر کسی کو قتل بھی کر دیا۔ تو خلیفہ وقت کی برکت اور اس کی دعا ہمیں حاصل ہو جائے گی۔ پس آئندہ فتنہ کا سدباب کرنے اور

اپنی جماعت کے نوجوانوں کے ایمانوں کو بچانے کے لئے

میں نے میاں عزیز احمد صاحب کا جنازہ نہیں پڑھایا۔ تا میرے جنازہ پڑھانے کے نتیجہ میں لوگوں کے دلوں میں یہ غلط خیال پیدا نہ ہو جائے۔ کہ چلو خلیفہ جنازہ تو پڑھا دیتا ہے۔ اگر ہم نے کوئی ایسی حرکت کر لی۔ تو ان کا جنازہ تو بہر حال ہمیں نصیب ہو جائے گا۔

پس میرا جنازہ نہ پڑھنا آئندہ کے فتنہ کے سدباب کے لئے تھا۔ اور درحقیقت میں نے ان معترضین کی خاطر ایسا کیا۔ مگر میں نے تو ان پر اتنا بڑا احسان کیا۔ اور وہ الٹا مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ میں نے میاں عزیز احمد کا جنازہ کیوں نہ پڑھا۔ حالانکہ میرا مقصد اس سے یہ تھا۔ کہ احرار اور مخرجین میں سے جو لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں۔ اور جو کوئی ہفتہ نہیں جاتا کہ ناقابل برداشت الفاظ ہمارے متعلق استعمال نہیں کرتے۔ ان پر آئندہ ہماری جماعت کا کوئی جوشیلا شخص محض اس خیال کے ماتحت حملہ نہ کر دے۔ کہ اگر میں نے کسی کو قتل بھی کر دیا۔ تو کم از کم خلیفہ کی دعا اور اس کا جنازہ مجھے نصیب ہو جائے گا پس میں نے میاں عزیز احمد صاحب کا جنازہ نہیں پڑھایا۔ اور اس لئے نہیں پڑھایا کہ دوسرے لوگ یہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ کہ جو شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لیتا اور انتہائی اشتعال کی حالت میں بھی کسی کو قتل کر دیتا ہے۔ خلیفہ وقت اس کا جنازہ پڑھنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

اگر کوئی کہے کہ پھر

قاضی محمد علی صاحب سرحدی کا جنازہ کیوں پڑھایا

حالانکہ وہ بھی ایسے ہی فعل کے مرتکب ہوئے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ جماعت کے ایک فرد کا پہلا فعل تھا۔ اور قدرتی طور پر جو پہلی دفعہ غلطی کرتا ہے۔ اسکا زیادہ لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جس راستہ پر انسان کبھی نہ چلا ہو اس میں انسان سے کئی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ پس لازماً جب کوئی شخص پہلی دفعہ غلطی کرے گا۔ وہ زیادہ قابل معافی ہوگا جیطرح وہ شخص جو پہلی نیکی کریگا۔ وہ زیادہ قابل انعام ہوگا۔ بہر حال پہلے اور پچھلے میں فرق ضرور ہوگا۔ جو شخص پہلی نیکی کرتا ہے۔ وہ زیادہ قابل انعام سمجھا جائیگا کیونکہ اس نے بغیر نمونہ کے نیکی کی۔ لیکن دوسرا نیکی کرنے والا نقال بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جو پہلی غلطی کرے۔ اس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسے علم نہیں تھا کہ یوں نہیں کرنا چاہیئے۔ اور چونکہ ایسا واقعہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ غلطی کھا گیا۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب کوئی واقعہ رونما ہو جاتا ہے۔ اس وقت تعلیم زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ مگر پہلے نہیں ہوتی۔ پہلے یہ خیال کیا جاتا ہے۔ کہ ہماری جماعت میں کوئی ایسا آدمی نہیں جو اشتعال میں آکر کسی پر حملہ کر دے۔ لیکن جب کوئی پُر جوش شخص ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے۔ تو پھر خیال آتا ہے۔ کہ ایسے آدمی تو ہم میں موجود ہیں۔ اور پھر زور دیا جاتا ہے۔ کہ اس طرح نہیں کرنا چاہیئے۔

پس جو پہلی غلطی کرتا ہے۔ وہ کم مجرم ہوتا ہے۔ لیکن جو بعد میں پہلی غلطی کے نتائج کو دیکھنے کے باوجود اسی حرکت کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ زیادہ مجرم ہوتا ہے۔ جس طرح پہلی نیکی کرنے والا بعد میں نیکی کرنے والے سے زیادہ قابل انعام ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا واقعہ

لے لو۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔ اور آپ کے ارد گرد صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آپ نے یہ ذکر کرنا شروع کر دیا۔ کہ جنت میں یوں ہوگا یوں ہوگا۔ اور پھر ان انعامات کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے مقدر فرمائے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے۔

یارسول اللہ دعا کیجئے

کہ جنت میں مَیں بھی آپ کے ساتھ ہوں (بعض روایتوں میں ایک اور صحابی کا نام آتا ہے۔ اور بعض روایتوں میں حضرت ابوبکرؓ کا نام آتا ہے) رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں۔ کہ تم میرے ساتھ ہوگے۔ اور میں اللہ تعالےٰ سے دُعا بھی کرتا ہوں۔ کہ ایسا ہی ہو۔ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا۔ تو قدرتی طور پر باقی صحابہ کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ ہم بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کریں۔ کہ ہمارے لئے بھی یہی دُعا کی جائے۔ پہلے تو وُہ اس خیال میں تھے۔ کہ ہمارے یہ کہاں نصیب ہیں۔ کہ ہم جنت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ مگر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یا بعض روایتوں کے مطابق کسی اور صحابی نے یہ بات کہدی۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دُعا بھی فرمادی۔ تو اب انہیں نمونہ مل گیا۔ اور انہیں پتہ لگ گیا۔ کہ یہ امر ناممکن نہیں۔ بلکہ ممکن ہے۔ چنانچہ ایک اور صحابی کھڑے ہوئے۔ اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ میرے لئے بھی دُعا فرمائیں۔ کہ خدا تعالےٰ جنت میں مجھے آپ کے ساتھ رکھے۔ آپ نے فرمایا۔ خدا تعالےٰ تم پر بھی فضل کرے۔ مگر جس نے پہلے کیا تھا۔ اب تو وُہ دُعا لے گیا۔ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لئے بھی دُعا فرما دیتے۔ تو پھر تیسرا شخص کھڑا ہوجاتا۔ اور اس کے بعد چوتھا اور پھر پانچواں۔ اور سب یہی کہتے۔ نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ سارے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجہ میں ہی آجاتے۔ باقی جنت تو خالی ہی رہ جاتا۔ کیونکہ بعد میں آنے والے بھی کہہ سکتے تھے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ہمیں بعد میں پیدا کر دیا۔ ورنہ ہمارا جی بھی چاہتا ہے۔ کہ ہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ اور اس خواہش میں ہم کسی سے پیچھے نہیں۔ اور یقیناً اس لحاظ سے انہیں بھی یہ حق حاصل ہوجاتا۔ کہ وُہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ اس طرح امتِ محمدیہ میں صرف

محمدی مقام

ہی رہ جاتا۔ اور کوئی مقام نہ رہتا۔ تو یہ قدرتی بات ہے۔ کہ جو پہلی نیکی کریگا وُہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ اس نے بغیر نمونہ کے نیکی کی۔ اور دوسروں نے اس کی نقل میں نیکی کی۔ یہی حال گناہ کا ہے۔ جو شخص پہلا گناہ کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس گناہ کو ایجاد بھی کرتا ہے۔ شریعت کے مطابق اسے زیادہ سزا دی جائے گی۔ کیونکہ اسے کہا جائے گا۔ کہ تمہارا یہی قصور نہیں۔ کہ تم نے پہلا گناہ کیا۔ بلکہ تمہارا قصور یہ بھی ہے۔ کہ تم نے اس گناہ کو ایجاد کیا۔ لیکن اگر اُس نے غفلت یا ناواقفی سے یا شریعت اور سلسلہ کی تعلیم سے بے خبر ہونے کی وجہ سے ایک گناہ کیا ہو۔ جس سے پہلے وُہ قوم ناآشنا نہ ہو۔ یہ نہیں۔ کہ اس گناہ کو اس نے ایجاد کیا ہو۔ تو اس جرم کی سزا اسے کم ملے گی۔ لیکن جب اسے تنبیہ ہوجائے۔ اور سب لوگوں پر مسئلہ واضح ہوجائے۔ تو اس کے بعد جو شخص دوبارہ گناہ کرے۔ وُہ زیادہ سزا کا مستحق ہوگا۔ پس قاضی محمد علی صاحب نے جس فعل کا ارتکاب کیا۔ چونکہ وُہ

ہمارے سلسلہ میں پہلا فعل

تھا۔ اور اس پر پہلے زیادہ زور نہیں دیا گیا تھا۔ اس لئے ہم نے قاضی محمد علی صاحب سے اور سلوک کیا۔ اور جب انہوں نے توبہ کرلی۔ اور ساتھ ہی قانون کا منشا بھی پورا ہوگیا۔ اور انہیں پھانسی مل گئی تو ہم نے سمجھ لیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے بھی انہیں معافی دے دی ہے۔ اور جو زجر ہوگئی ہے وُہ آئندہ کے لئے کافی ہے مگر جب دوسرا واقعہ ہوا۔ تو یہ سمجھتے ہوئے کہ پہلی تنبیہ کافی نہیں ہوئی۔ مزید سختی کی ضرورت سمجھی گئی۔ اور میں نے فیصلہ کیا کہ جس سے یہ واقعہ ہوا ہے۔ اس کا جنازہ میں نہ پڑھوں۔ اور ساتھ ہی اعلان کردیا گیا۔ کہ اگر آئندہ کسی شخص نے مشتعل ہوکر قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ تو اُسے جماعت سے خارج کر دیا جائے گا۔ جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ ایسے شخص کا جنازہ خلیفۂ وقت ہی نہیں باقی جماعت بھی نہیں پڑھے گی۔ کیونکہ جسے ہم جماعت سے خارج کر دیتے ہیں۔ وہ اگر مر جائے۔ تو جماعت اس کا جنازہ نہیں پڑھتی۔ اور درحقیقت یہ ایک رنگ میں مقاطعہ کا فیصلہ ہے۔ ورنہ اگر کوئی واقعہ میں احمدی ہو۔ تو اُسے

احمدیت سے کوئی خارج نہیں کرسکتا

میں نے پہلے بھی کئی دفعہ بتایا ہے۔ کہ ہم جب کسی کو خارج کرتے ہیں۔ تو جماعت سے کرتے ہیں۔ احمدیت سے نہیں احمدیت سے خارج تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی نہیں کرسکتے۔ اور چونکہ احمدیت اور اسلام ایک ہی چیز کا نام ہے۔ اس لئے اسلام کے متعلق بھی یہی اصل ہے۔ کہ اس سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی کسی انسان کو خارج نہیں کرسکتے۔ آپ اسے جماعت مسلمین سے خارج کرسکتے ہیں۔ مگر اسلام سے خارج نہیں کرسکتے۔ کیونکہ یہ خدا کا کام ہے۔ اور وُہی جانتا ہے۔ کہ واقعہ میں کوئی شخص دل سے اسلام سے نکل گیا ہے۔ یا نہیں۔ جن باتوں سے اسلام روکتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وُہ مسلمان نہیں۔ لیکن بعض لوگ باوجود ظاہری طور پر

اسلامی احکام پر عمل

کرنے کے پھر بھی مسلمان نہیں ہوتے کیونکہ گو وُہ بظاہر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہوں۔ نمازیں پڑھتے ہوں۔ روزے رکھتے ہوں۔ حج کرتے ہوں۔ زکوٰۃ دیتے ہوں۔ پھر بھی ممکن ہے۔ کہ ان کے دل میں اسلام نہ پایا جاتا ہو۔ ایسے لوگوں کو گو ہم ظاہر میں مسلمان ہی کہیں گے۔ مگر خدا تعالےٰ کے نزدیک وُہ مسلمان نہیں ہوں گے۔ جیسے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک جنگ کے موقعہ پر ایک شخص نے اتنی جرأت اور دلیری سے جہاد میں حصہ لیا۔ کہ صحابہ کہتے ہیں۔ ہم اسے دیکھ کر بے اختیار کہتے تھے۔ خدا اسے جزائے خیر دے۔ کہ یہ آج ہم سب میں سے زیادہ کام کر رہا ہے یہ شخص یقیناً جنتی ہے۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا۔ اور فرمایا۔ اگر کسی نے دُنیا پر کسی

چلتا پھرتا دوزخی

دیکھنا ہو۔ تو وُہ اس کو دیکھ لے۔ اب وُہ شخص بظاہر مسلمان تھا۔ نہیں تو صحابہ اسے جنتی قرار نہ دیتے۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوزخی قرار دے دیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو الہام کے ذریعہ بتادیا ہوگا۔ کہ یہ دوزخی ہے۔ لیکن کوئی دوسرا شخص ایسے آدمی کو کافر قرار نہیں دے سکتا۔ تو درحقیقت اسلام سے نکالنے کا کام اللہ تعالےٰ کا ہے۔ ہمارا نہیں۔ ہم بعض دفعہ ظاہر میں کسی کے متعلق فتویٰ دے دیتے ہیں۔ کہ وُہ مسلمان ہے۔ حالانکہ وُہ کافر ہوتا ہے۔ اور بعض دفعہ کسی کو نظام کے توڑنے کے باعث جماعت سے خارج کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہوتے۔ کہ وُہ احمدی بھی نہیں رہا۔ بعض دفعہ وُہ جماعت سے خارج ہونے پر بھی احمدی رہتا ہے۔ اور بعض دفعہ نہیں رہتا۔ ہر شخص کے ایمانی حالات کے مطابق اس کی احمدیت باقی رہتی ہے یا جاتی رہتی ہے۔

غرض ہم جس کو بھی خارج کرتے ہیں۔ احمدیت یا اسلام سے خارج نہیں کرتے سوائے اس کے کہ خدا تعالےٰ کے فتویٰ کے مطابق ایسا کریں۔ اگر خدا تعالےٰ کا فتویٰ موجود ہو۔ تب ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وُہ احمدی نہیں۔ ورنہ اس کے بغیر ہمارا یہ تو حق ہے کہ ہم کہیں۔ اس کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں مگر یہ حق نہیں۔ کہ اس کے متعلق یہ کہیں۔ کہ وُہ احمدی نہیں رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ

گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں،

بشرطیکہ اس نیت سے کوئی گناہ نہ کرے کہ بعد میں معافی لے لوں گا۔ جو شخص اس نیت سے گناہ کرتا ہے۔ کہ میں بعد میں توبہ کر لوں گا۔ اسکی توبہ چونکہ بناوٹی ہوتی ہے۔ اسلئے وہ قبول نہیں ہو سکتی۔ الا ماشاء اللہ اس لئے نہیں کہ توبہ سے گناہ معاف نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ توبہ حقیقی نہیں ہوتی۔ اگر حقیقی توبہ ہوتی۔ تو وہ گناہ کے ارتکاب کے بعد کی ہوتی۔ جو شخص گناہ سے پہلے یہ خیال کرتا ہے۔ کہ میں گناہ کر لیتا ہوں پھر توبہ کر لوں گا۔ اس کی وہ توبہ پہلے کی ہے۔ اور اس کا گناہ اس کی توبہ کو مٹا دیتا ہے۔ لیکن جو ایسی صورت میں گناہ نہ کرے۔ بلکہ جذبات سے متاثر ہو کر بجہالت کرے۔ تو تمام اہل السنت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے اور خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ امر ثابت ہے کہ ایسی توبہ قبول کر لی جاتی ہے۔ اور تائب کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ چاہے کتنا بڑا گناہ کیوں نہ ہو۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے۔ کہ ایک شخص کو حد لگائی گئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ حدود تو بہ کے ساتھ انسانی گناہ معاف کرا دیتی ہیں۔ اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے۔ کہ حد ہمیشہ بڑے گناہ میں لگائی جاتی ہے۔ مثلاً قتل ہے یا زنا ہے یا قذف ہے۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ ان حدود کے ساتھ جب توبہ مل جائے۔ تو گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ پس جب کوئی شخص اصول دین پر ایمان رکھتا ہے۔ اور کسی

اعتقادی مسئلہ

کا انکار نہ کرتا ہو۔ اور نہ منصوص احکام کا انکار کرتا ہو۔ مثلاً نماز زکوٰۃ وغیرہ یعنی وہ یہ نہ کہتا ہو کہ نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ یا روزہ نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ نماز کا حکم منصوص احکام میں سے ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ سنت سے بھی یہ ثابت ہے۔ اور حدیث سے بھی ثابت ہے۔ اور کسی امر کو ثابت کرنے کے لئے انہی تین شاہدوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اختلاف کا سوال وہاں پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کہے کہ قرآن سے یہ ثابت نہیں یا سنت اس کے خلاف ہے۔ یا حدیث اس کی تائید میں نہیں۔ لیکن جب قرآن سنت اور حدیث۔ تینوں ایک بات پر متفق ہوں۔ تو وہ تین طرح منصوص حکم ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس کا انکار کرتا ہے۔ تو وہ یقیناً کافر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا۔ لیکن نماز کا قائل ہے۔ تو یہ دوسری صورت ہوگی۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ نماز پڑھنی ہی نہیں چاہیے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ تو اگر وہ کسی اعتقادی مسئلہ کا انکار نہ کرتا ہو۔ اور نہ منصوص احکام کا انکار کرتا ہو۔ بلکہ محض جوش نفسانی سے کوئی کام کر بیٹھے۔ یعنی اس کے نفس کو اتنا جوش آ جائے۔ کہ اس کی دینی طاقت کمزور ہو جائے اور وہ جذبات کی رو میں بہہ جائے۔ تو وہ

حقیقتاً مذہب سے باہر

نہیں ہو جاتا۔ بلکہ مسلمان ہی کہلائے گا۔ مثلاً کوئی شخص چوری کرتا ہے۔ اب اگر وہ یہ کہے کہ گو خدا نے یہ کہا ہے کہ چوری مت کرو۔ مگر میں ضرور کروں گا۔ تو وہ کافر ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ یہ کہے۔ کہ خدا نے تو یہ کہا ہے۔ کہ چوری نہ کرو۔ اور میں بھی مانتا ہوں کہ چوری بہت بری چیز ہے۔ مگر میرا نفس ایسا کمزور ہے کہ وقت پر یہ بات مجھے بھول جاتی ہے۔ اور بے اختیار چوری کر لیتا ہوں۔ تو وہ کافر نہیں کہلائے گا۔ ہم ایسے شخص کو بعض دفعہ

سزا کے طور پر

جماعت سے الگ کر سکتے ہیں۔ مگر احمدیت یا اسلام سے الگ نہیں کر سکتے اپنی جماعت کے نظام کی درستی۔ اسے لوگوں کے اعتراضات سے محفوظ رکھنے اور خود اسے آئندہ کے لئے سبق دینے کے لئے ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس کا ہماری جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ احمدیت سے خارج ہو گیا۔ یا اسلام سے خارج ہو گیا۔ ایسی صورت میں اگر وہ عقائد اور اعمال کو تسلیم کرنے میں ہمارے ساتھ متفق ہے یعنی وہ کہتا ہے کہ نماز پڑھنی چاہیئے وہ کہتا ہے کہ زکوٰۃ دینی چاہیئے وہ کہتا ہے کہ حج کرنا چاہیئے۔ وہ کہتا ہے کہ چوری نہیں کرنی چاہیئے۔ مگر بعض دفعہ وہ نمازیں نہیں پڑھتا۔ بعض دفعہ وہ روزے نہیں رکھتا۔ بعض دفعہ وہ استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا۔ یا بعض دفعہ چوری کر لیتا ہے تو ہم اسے

ناقص مسلمان

تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غیر مسلم ہے۔ یہی حالت قصہ زیر بحث کی ہے۔ جس شخص نے اس فعل کا ارتکاب کیا۔ اس کے عقائد وہی ہیں جو ہمارے ہیں۔ اعمال کے متعلق وہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ قرآن نے جو کچھ کہا ہے اس کا حرف حرف قابل عمل ہے۔ پھر وہ منافقت کی وجہ سے اس فعل کا مرتکب نہیں ہوا بلکہ جوش کی حالت میں اس سے یہ فعل سرزد ہوا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ اس نے یہ کہا ہو۔ کہ میں خدا کے اس حکم کو رد کرتا ہوں۔ اور اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ بلکہ جوش کی حالت میں جبکہ ممکن ہے وہ خدا کے اس حکم کو بھول گیا ہو۔ یا اس کے نفس نے اس کی کوئی اور تاویل کر لی ہو۔ اس نے اس فعل کا ارتکاب کیا۔ پس ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ مذہب سے باہر ہو گیا۔ ہم آئندہ زیادہ سختی سے روکنے کی خاطر ایسے شخص کو (اگر خدانخواستہ کوئی ایسا فعل کرے) جماعت سے نکال تو دیں گے۔ مگر جبکہ وہ سب عقائد کو مانتا ہو۔ جماعت سے عملاً جدا نہ ہوتا ہو۔ یا اس میں تفرقہ نہ ڈالتا ہو۔ اور صرف **کسی عمل کا باوجود اسکو ناجائز سمجھنے کے غلطی سے مرتکب ہو جاتا ہو۔ یا حکم کو تو درست سمجھتا ہو۔ لیکن اس کا اطلاق غلط کر لیتا ہو۔ تو اسے ہم احمدیت سے الگ نہیں سمجھ سکتے** مثلاً قتل ہے یہ ایک ناجائز فعل ہے مگر مسلمان عام طور پر سمجھتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے جوش میں کسی ایسے غیر مسلم کو قتل کر دینا جائز ہے۔ جس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی ہو۔ اب ایسے شخص کے متعلق ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ ناقص مسلمان ہے۔ مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ کہ صرف اس وجہ سے وہ

اسلام سے نکل گیا

اسی طرح جب کوئی شخص ہماری جماعت میں سے خدانخواستہ کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے۔ جبکہ وہ سب عقائد کو مانتا ہو۔ صرف کسی فعل کو ناجائز سمجھنے کے باوجود غلطی سے اس کا مرتکب ہو جاتا ہو۔ یا حکم کو درست سمجھنے کے باوجود اس کا اطلاق غلط کر لیتا ہو۔ تو اسے گو ہم جماعت سے نکال دیں گے۔ مگر احمدیت سے الگ نہیں سمجھ سکتے۔ اور ہمارا یہ حکم محض تعزیری ہوگا۔ اور ایسے افعال کو روکنے کی خاطر ہوگا۔ اور

ضروریات دینی

کی غرض سے اس قسم کے تعزیری احکام دینے کی خلفاء کو اجازت ہے ؛

اب رہا یہ سوال کہ پھر اوروں کو میں نے کیوں نہ روکا۔

جبکہ خود جنازہ نہ پڑھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جبکہ ہم نے میاں عزیز احمد صاحب کو جماعت سے خارج نہیں کیا تھا۔ کہ

ان کا جنازہ جائز تھا

اور گو اُس نے جو فعل کیا۔ وہ جائز نہیں تھا۔ لیکن اس کے یہ معنے نہیں تھے۔ کہ وُہ احمدی نہیں رہا تھا۔ اگر وُہ یہ کہتا۔ کہ میں قرآن کو نہیں مانتا۔ میں احمدیت کو سچا نہیں سمجھتا۔ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کے دعاوی میں صادق اور راستباز نہیں مانتا۔ تو پھر وُہ حملہ ہی کیوں کرتا۔ میاں فخر الدین نے اس کے باپ کو تو نہیں مارا ہُوا تھا کہ اُسے کوئی نفسانی جوش تھا۔ جس کی وجہ سے اس نے اُسے قتل کر دیا۔ اس نے غلطی سے یا صحت سے اپنے ذہن میں اس فعل کا ارتکاب محض خدا کے لئے کیا۔ اور میں بتا چکا ہوں۔ کہ جب کوئی شخص عقائد کا انکار نہ کرتا ہو۔ اور صرف کسی عمل کا باوجود اس کو ناجائز سمجھنے کے غلطی سے اس کا مرتکب ہو جاتا ہو۔ اسے ہم احمدیت سے الگ نہیں سمجھ سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اسے

جماعت سے خارج

کر سکتے ہیں۔ اور جبکہ ہم نے اسے جماعت سے بھی خارج نہیں کیا تھا۔ تو اس کا جنازہ پڑھنے میں کیا حرج تھا۔ اور جس شخص کا جنازہ جائز ہو۔ اس کا جنازہ فرض کفایہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر چند لوگ جنازہ پڑھ لیں۔ تو ساری قوم الزام سے بری ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوئی بھی نہ پڑھے تو ساری قوم زیرِ الزام آجاتی ہے۔

ایک مسلمان اگر مر جائے۔ اور دس بیس اس کا جنازہ پڑھ دیں۔ تو باقی سب مسلمانوں پر جو فرض عائد ہوتا تھا۔ وُہ ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی بھی جنازہ نہ پڑھے۔ تو جو اس مقام کے لوگ ہونگے وہ سب گنہگار ہونگے۔ تو جس شخص کا جنازہ جائز ہو۔ اس کا جنازہ کچھ نہ کچھ افراد پر واجب ہوتا ہے۔ اگر وُہ نہ پڑھیں۔ تو ساری قوم مجرم ہو جاتی ہے۔ اور اگر کچھ لوگ پڑھ لیں۔ تو ساری قوم عہدہ برآ ہو جاتی ہے۔

پس ہم دوسروں کو جنازہ پڑھنے سے کسی صورت میں روک نہیں سکتے تھے اگر کہا جائے۔ کہ تم نے پندرہ بیس آدمی جنازہ پر بھیجد یئے تھے۔ باقیوں کو کیوں جانے دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ صورت اختیار کی جاتی۔ تو پھر اور زیادہ اعتراض ہوتا۔ اور اس صورت میں معترض یہ نہ کہتے۔ کہ عام لوگوں کو جنازہ پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ بلکہ یہ کہتے۔ کہ بعض لوگوں کو خود حکم دے کر جنازہ پڑھوایا گیا ہے۔ تو بہتر طریق یہی تھا۔ کہ اس بارے میں کچھ نہ کہا جاتا۔ اور جس کا جی چاہتا۔ جنازہ پڑھ آتا۔ اور جس کا جی چاہتا نہ پڑھتا۔ اور یہی طریق ہم نے اختیار کیا۔

پھر یہ اعتراض کہ اگر امام جنازہ نہ پڑھے۔ تو دوسروں کو بھی روکے۔ محض

دینِ اسلام کی ناواقفیت

سے پیدا ہوا ہے۔ خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سنت سے یہ ثابت ہے۔ کہ جن لوگوں کو حدود لگی ہوں۔ اُن کا جنازہ امام تو نہ پڑھے۔ لیکن دوسرے مسلمان پڑھ لیں۔ چنانچہ ابو داؤد میں روایت ہے۔ کہ ماعز ایک شخص تھے۔ انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بدکاری کا اقرار کیا یہ واقعہ تفصیل سے احادیث میں آتا ہے انہوں نے کئی دفعہ قسم کھائی۔ اور بار بار کہا۔ کہ میں نے بدکاری کی ہے۔ آخر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے متعلق فیصلہ کیا۔ کہ انہیں حد لگائی جائے اور سنگسار کیا جائے۔ جب وُہ سنگسار کر دیئے گئے۔ تو ان کا جنازہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں پڑھا لیکن دوسروں کو آپ نے اس کا جنازہ پڑھنے سے منع بھی نہیں کیا۔

اسی طرح

ایک قرضدار

تھا۔ جب وُہ فوت ہوا۔ تو آپ نے فرمایا میں قرضدار کا جنازہ نہیں پڑھتا۔ لیکن دوسروں کو آپ نے جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا۔ یہاں بھی یہی ہوا۔ کہ ایک طرف میں نے جماعت کو ان کا جنازہ پڑھنے سے نہیں روکا۔ اور دوسری طرف میں نے خود ان کا جنازہ نہ پڑھا۔ تا نوجوان آئندہ محتاط رہیں۔ اور وُہ یہ خیال کر کے کہ چلو۔ خلیفۂ وقت جنازہ تو پڑھا دیتا ہے۔ آئندہ کسی ایسے ہی فعل کے مرتکب نہ ہو جائیں۔

پس لوگوں کو جنازہ پڑھنے سے روکنا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمل۔ اور آپ کی سُنت سے ثابت نہیں۔ اور اگر لوگوں کو جنازہ پڑھنے دینا بُری بات ہے۔ تو اس پٹھان کی طرح جس نے کہا تھا۔ ”خوہ محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا“۔ ان معترضین کا اصل اعتراض رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ والا صفات پر پڑتا ہے۔

کہتے ہیں۔ کوئی پٹھان تھا۔ ایک دفعہ جب وُہ

حدیث کا سبق

پڑھ رہا تھا۔ تو وہاں یہ ذکر آگیا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نیچے ایک بچہ کو اُٹھا کر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ جب آپ سجدہ میں جاتے۔ تو اُسے اُتار دیتے۔ اور جب کھڑے ہوتے۔ تو اُسے اٹھا لیتے۔ وُہ پڑھتے ہی کہنے لگا۔ ”خوہ محمد صاحب کا نماز ٹوٹ گیا“ اس نالائق نے یہ نہ سمجھا۔ کہ نماز تو محمد صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قائم فرمائی ہے۔ اگر نماز کے قواعد وُہ نہیں جانتے۔ تو اور کون جان سکتا ہے۔ کسی نے اسے کہا یہ کیا بیہودہ بات کرتے ہو۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ کنز میں لکھا ہے۔ کہ خارجی حرکت سے نماز ٹوٹ جاتا ہے۔

اسی طرح یہ لوگ بھی مسئلہ اپنے پاس سے بناتے۔ اور پھر اُسے منسوب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات احادیث سے۔ فقہا کے اقوال سے۔ اور ائمہ اربعہ کے فتاوٰے سے ثابت ہے۔ آخر یہ جو اعتراض کرتے ہیں۔ یہ یا تو اہلحدیث ہونگے یا حنفی ہونگے۔ یا شافعی ہونگے یا مالکی ہونگے۔ یا حنبلی ہوں گے اگر یہ اہلحدیث ہیں۔ تو حدیثیں موجود ہیں۔ حنفی ہیں۔ تو حنفیوں میں بحث پائی جاتی ہے۔ شافعی ہیں۔ تو شافعیوں میں بھی یہ مسئلہ پایا جاتا ہے اور اگر مالکی یا حنبلی ہیں۔ تو ان میں بھی یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ غرض کوئی ایک بھی محدث۔ یا فقیہہ۔ یا امام ایسا نہیں جو کہتا ہو۔ کہ اس قسم کے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے مجرم کو جنازہ سے محروم کر دیا جاہیئے۔ چنانچہ جیسا کہ میں بتا چکا ہُوں۔ تمام ائمہ خواہ حنفی ہوں خواہ شافعی۔ خواہ حنبلی۔ خواہ مالکی۔ اس امر کا فتوےٰ دیتے ہیں۔ کہ

اہلِ کبائر کا جنازہ جائز ہے

صرف امام مالک ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ مگر وُہ بھی یہ نہیں کہتے۔ کہ جنازہ جائز نہیں۔ بلکہ یہ کہتے ہیں۔ کہ امام کو اُن اہلِ حدود کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ جن کو اس نے خود حد لگوائی ہو۔ یعنی امام کسی کے متعلق یہ فتوےٰ دے چکا ہو۔ کہ فلاں شخص حد کے نیچے آگیا ہے۔ اس فتوےٰ کے بعد اس کے لئے جائز نہیں۔ کہ وُہ خود اس کا جنازہ پڑھے۔ مثلاً کسی پر زنا کا الزام ثابت ہو چکا ہے۔ یا قتل کا الزام ثابت ہو چکا ہے۔ یا چوری کا الزام ثابت ہو چکا ہے۔ اور وُہ حکم دے چکا ہے۔ کہ اس پر زنا۔ یا قتل۔ یا چوری کی حد قائم کر دی جائے۔ تو جس کے متعلق امام نے خود حد لگوائی ہو۔ اس کا جنازہ پڑھنا اس کے لئے جائز نہیں۔ لیکن وُہ کہتے ہیں۔ امام کے علاوہ دوسروں کو پھر بھی جائز ہے۔ کہ اس کا جنازہ پڑھیں۔

پس میں نے تو جو کیا۔ وُہ

احوط سے احوط مذہب

ہے۔ اور میں نے تو اس بات پر عمل کیا۔ جو سب سے زیادہ سخت ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر صورت میں نمازِ جنازہ جائز ہے۔ خواہ امام نے حد لگوائی ہو۔ یا نہ لگوائی ہو۔ شوافع کا مذہب بھی یہی ہے۔

اسی طرح حنبلیوں اور مالکیوں کا بھی یہی مذہب ہے کہ اہل کبائر کا جنازہ جائز ہے۔ صرف امام مالک نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ اور امام مالک نے اپنے اس اختلاف کی بنیاد اسی حدیث پر رکھی ہے۔ جو ماعز کے متعلق میں بیان کر چکا ہوں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ جنازہ میں شامل نہیں ہوئے۔ البتہ آپ نے دوسروں کو روکا بھی نہیں۔ پس وہ کہتے ہیں کہ جب امام خود حد لگوائے تو وہ جنازہ نہ پڑھے۔ مگر دوسروں کو جنازہ پڑھنے سے وہ بھی نہیں روکتے۔ اب بتاؤ جس امر کے متعلق تمام اہلحدیثوں تمام حنفیوں تمام شافعیوں تمام مالکیوں اور تمام حنبلیوں کا فتوے ہے کہ وہ جائز ہے۔ اس پر یہ احرار کیا اعتراض کر سکتے ہیں۔ اور یہ کونسے نئے صحابی پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ اسلام اور قرآن پر اپنی حکومت جتانے لگ گئے ہیں۔ اس پٹھان کے متعلق تو کہہ سکتے تھے کہ کم از کم کوئی فقہ کی کتاب اس کی تائید میں تھی۔ مگر ان کی تائید تو کسی حدیث اور کسی فقہ کی کتاب سے نہیں ہوتی۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ میں نے

امام مالک سے بھی زیادہ احتیاط

اس بارے میں کی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ امام مالک یہ کہتے ہیں۔ کہ جس کو امام شریعت کے احکام کے مطابق حد لگوائے۔ اس کا وہ جنازہ نہ پڑھے۔ لیکن میں نے اس شخص کا جنازہ بھی نہیں پڑھا۔ جسے میں نے حد نہیں بلکہ انگریزی حکومت نے جو کافر ہے حد لگائی تھی۔ پس امام مالک کے فتوے کے مطابق اگر میں میاں عزیز احمد صاحب کا جنازہ پڑھا دیتا۔ تب بھی میرے لئے جائز تھا۔ کیونکہ ان پر کسی اسلامی حکومت نے حد قائم نہیں کی۔ بلکہ ان سے قصاص انگریزی حکومت نے لیا۔ جو غیر اسلامی حکومت ہے۔ مگر میں نے اتنا بھی نہ کی۔

پس امام مالک جنہوں نے اس بارہ میں سب سے زیادہ سخت پہلو لیا ہے۔ میں نے ان سے بھی سخت تر پہلو لیا۔ اور ایک

کافر گورنمنٹ کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے

اس کا جنازہ نہیں پڑھا۔ اگر احرار کو اس پر اعتراض ہے۔ تو پہلے سب حدیثوں اور فقہ کی کتابوں کو رد کر دیں اور کہہ دیں کہ یہ سب جھوٹی ہیں۔ اب ہم نئے مولوی پیدا ہوئے ہیں۔ اور ہم بتائیں گے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کیا کرنا چاہیئے تھا۔ اس طرح پہلے وہ ایک نیا دین ایجاد کریں۔ پھر جو لوگ اس دین کو مان کر اس پر عمل نہ کریں۔ تو ان پر اعتراض کریں۔ ہم تو ان کے اس دین پر ہیں ہی نہیں۔ وہ ہم پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔ ہم تو اہل السنت ہیں۔ اور سب سے پہلے قرآن کو مانتے ہیں۔ پھر سنت کو مانتے ہیں پھر حدیثوں کو مانتے ہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق

قرآن کریم میں بالبداہت

کوئی آیت موجود نہیں۔ ممکن ہے اگر غور کیا جائے تو کوئی اشارہ مل جائے مگر نص موجود نہیں لیکن سنت موجود ہے اور حدیثیں بھی موجود ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایسے لوگوں کا جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ اس کے بعد جیسا کہ میں نے بتایا ہے۔ چاروں امام جو اس وقت گویا روئے زمین کے تمام مسلمانوں کے اعتقادات پر چھائے ہوئے ہیں۔ یعنے امام ابوحنیفہ امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل سب ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ اور ان سب کا وہی مذہب ہے جس پر ہم نے عمل کیا۔ بلکہ میں نے تو احوط سے احوط مذہب پر عمل کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ اگر فعل کو برا سمجھا جاتا تھا۔ تو

اس قدر لوگ کیوں جنازہ میں شامل ہوئے

کیا ہر جنازے میں اتنے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ اور اگر نہیں تو اس جنازہ میں اتنے آدمی کیوں شامل ہوئے۔ یہ تو معلوم ہوتا ہے حکم کے نتیجہ میں ہوا ہے۔ اس بارہ میں میں پہلے حکم کے متعلق جواب دیتا ہوں۔

(۱) میرا پہلا جواب یہ ہے کہ میں نے کسی کو جنازہ کے لئے نہیں کہا۔ نہ کسی کو یہ کہا۔ کہ وہ دوسروں کو جنازہ کے لئے کہے۔ بلکہ میرے لئے حیرت کی بات تھی۔ جب میں نے سنا کہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ جنازہ میں شامل ہوئے۔ پس جب ایسا کوئی حکم دیا ہی نہیں گیا۔ تو لوگوں کی کثرت کو دیکھ کر خود بخود یہ نتیجہ نکال لینا۔ کہ ضرور حکم دیا گیا ہو گا۔ یہ کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ یہ تو قیاسی بات ہے۔ اور قیاس غلط بھی ہوا کرتے ہیں۔ جیسے تمہید میں میں نے بتایا تھا کہ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ دنیا میں کوئی امیر ہے کوئی غریب۔ کوئی تندرست ہے کوئی بیمار۔ کوئی معزز ہے۔ اور کوئی ذلیل۔ تو یہ قیاس کر لیا کہ یہ تناسخ کا نتیجہ ہے۔ یا عیسائیوں نے قیاسی طور پر کفارے کا مسئلہ ایجاد کر لیا۔ حالانکہ ایسی باتیں قیاس سے نہیں بلکہ واقعات سے ثابت ہوا کرتی ہیں واقعہ یہ ہے کہ میں نے کسی کو حکم نہیں دیا۔ کہ وہ جنازہ میں شامل ہو۔ اور کیا جب تک میں حکم نہ دوں۔ لوگ جنازہ میں شامل نہیں ہوا کرتے۔ کیا میاں عبدالرشید نے جب شردھانند جی پر حملہ کیا۔ یا میاں علم الدین نے لاہور میں راجپال پر حملہ کیا۔ یا میاں عبدالقیوم نے کراچی میں ایک ہندو پر حملہ کیا۔ اور پھر انہیں پھانسی دی گئی تو ہزارہا آدمی ان کے جنازوں میں شامل نہیں ہوئے بلکہ ایک جگہ تو

ایک لاکھ آدمی جنازہ میں شامل ہوا

اب کیا میں انہیں یہ کہنے کے لئے گیا تھا۔ کہ ضرور جنازہ میں شامل ہونا۔ اگر نہیں تو پھر یہاں زیادہ آدمیوں کے اکٹھا ہونے سے یہ کس طرح نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ میں نے انہیں اکٹھا ہونے کا حکم دیا تھا۔

(۲) میرا دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اگر میں نے ایسا حکم دیا ہے تو احرار اور ان کے معاون مخبر جن کو دعوٰے ہے۔ کہ ہماری ہر بات انہیں پہونچتی رہتی ہے۔ وہ گواہ پیش کریں۔ پھر خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ بات کہاں تک صحیح ہے۔ آخر وہ جو یہ دعوے کیا کرتے ہیں۔ کہ ہمارے گھر کی ایک ایک بات کا انہیں پتہ ہے۔ کیوں وہ ان لوگوں کے نام پیش نہیں کر دیتے۔ جن کو میں نے یہ حکم دیا ہو۔ وہ ایسے لوگوں کے نام بتائیں پھر لوگ ان سے خود بخود پوچھ لیں گے۔ کہ آیا واقعہ میں تمہیں کوئی حکم دیا گیا تھا یا نہیں۔ اور اگر وہ گواہ پیش نہ کریں۔ تو یاد رکھیں۔ کہ یہ

میرا فتوےٰ نہیں

بلکہ اس کا فتوے ہے۔ جسکو میں بھی مانتا ہوں۔ اور وہ بھی کہ ایاک والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ کہ اے انسان تو خیال اور تخمینے سے آپ ہی قیاسات نہ کر لیا کر۔ کیونکہ اگر تو ایسا کرے گا۔ تو سب سے زیادہ جھوٹا اور کذاب قرار پائے گا۔ تمہارا فرض یہ ہے۔ کہ تم واقعات کی شہادت کو دیکھو اور پھر کوئی نتیجہ اخذ کرو۔ ایسا نہ کرو کہ تم قیاس کرو۔ اور قیاس کے بعد ایک واقعہ فرض کر لو۔ کہ یوں ہوا ہوگا۔ کیونکہ یاد رکھو کہ یہ گمان تمہیں

جھوٹوں کی صف میں

کھڑا کر دے گا۔

گو اس جواب کے بعد مجھے اس بارہ میں کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں

کہ لوگ کیوں زیادہ تعداد میں شامل ہوئے کیونکہ یہ تو ان میں سے ہر ایک سے پوچھنا چاہیئے۔ کہ وہ جنازہ میں کیوں شامل ہوا۔ مجھ سے اس سوال کے پوچھنے کا کیا مطلب ہے۔ وہ اگر دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ تو پہلے کسی ایک احمدی کے پاس جائیں اور اس سے پوچھیں۔ کہ تو جنازہ میں کیوں شامل ہوا تھا۔ پھر دوسرے کے پاس جائیں۔ اور اس سے پوچھیں۔ کہ تو کیوں شامل ہوا تھا پھر تیسرے کے پاس جائیں۔ پھر چوتھے کے پاس جائیں۔ اور اس طرح ہر ایک سے دریافت کریں۔ کہ تو جنازہ میں کیوں شامل ہوا تھا۔ جو جواب وہ دینگے۔ وہی اصلی جواب ہوگا۔ مگر میں کہتا ہوں۔ کہ جماعت کے لوگوں کا میاں عزیز احمد صاحب کے جنازہ میں بکثرت شامل ہونا

احرار اور ان کے ساتھیوں کے خلاف بھی دو دھاری حملہ

ہے۔ وہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر جنازہ جائز تھا تو کیوں تم نے نہ پڑھا۔ اور اگر ناجائز تھا تو کیوں جماعت نے پڑھا گویا ایک دو دھاری تلوار انہوں نے چلائی ہے۔ میں کہتا ہوں۔ اس کا جواب تو میں دیچکا ہوں۔ کہ یہ فتویٰ سنت سے ثابت ہے۔ مگر تم بتاؤ کہ تم اور تمہارے ساتھی تو کہتے ہیں۔ کہ قادیان کے اسّی فیصدی لوگ اندر سے ہمارے ساتھ ہیں۔ گو اوپر سے خلافت کی تائید کرتے ہیں۔ چنانچہ اسّی فیصدی یا اکثر حصہ جماعت کا لفظ بار بار میرے کانوں میں پڑا ہے۔ جب پیغامی الگ ہوئے تھے۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ۸۰ فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے۔ جب مستری الگ ہوئے تھے۔ وہ بھی یہی کہتے تھے کہ ۸۰ فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے۔ اور جب مصری الگ ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ ۸۰ فیصدی جماعت ہمارے ساتھ ہے۔ مگر میں کہتا ہوں اگر واقعہ میں ۸۰ فیصدی لوگ تمہارے ساتھ ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ میاں فخر الدین کے قاتل کے جنازہ میں کس طرح شامل ہو گئے۔ ہزاروں کی تعداد اسی صورت میں بن سکتی ہے جب وہاں قادیان کے پچاس ساٹھ فیصدی لوگ جمع ہوئے ہوں۔ اور گو میں نے وہ اجماع نہیں دیکھا۔ اور نہ میں نے تعداد کے متعلق تحقیقات کی لیکن بہر حال اتنی بات سب تسلیم کرتے ہیں۔ کہ تعداد بہت زیادہ تھی۔ اور یہ تعداد اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ جب یہ تسلیم کیا جائے کہ پچاس ساٹھ فیصدی لوگ وہاں جمع تھے۔ اب اگر یہ لوگ جنازہ میں اخلاص اور قلبی جوش سے شامل ہوئے تھے۔ تو کیا تم جو یہ شور مچاتے رہتے ہو کہ قادیان کے اسّی فیصدی لوگ ہمارے ساتھ ہیں یہ جھوٹ ثابت ہوا یا نہیں۔ اور کیا تمہارے ساتھ کے لوگوں کو میاں فخر الدین کے قاتل کے خلاف نفرت ہونی چاہیئے تھی۔ یا اس سے ہمدردی ہونی چاہیئے تھی۔ پس جنازہ میں اتنی کثرت سے لوگوں کی شمولیت بتاتی ہے کہ تمہارا نہ صرف وہ دعویٰ غلط ہے کہ اسّی فیصدی لوگ ہمارے ساتھ ہیں۔ بلکہ جماعت کے ایک کثیر حصہ کو تمہارے افعال سے اتنا بغض ہے کہ وہ تمہارے ایک ساتھی کے قاتل کے جنازہ میں ہجوم کرکے شامل ہو جاتے ہیں۔ ورنہ وجہ کیا ہے۔ کہ اسّی فیصدی لوگ تو ان کے ساتھ ہوں اور ہزارہا آدمی میاں فخر الدین کے قاتل کا جنازہ پڑھ رہے ہوں۔ اگر واقعہ میں اسّی فیصدی ان کے ساتھ تھے تو یہ ہزارہا آدمی کہاں سے آ گئے۔

پس ہزارہا لوگوں کا میاں عزیز احمد صاحب کے جنازہ میں شامل ہونا بتاتا ہے۔ کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے کہ اسّی فیصدی آدمی ان کے ساتھ ہیں۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہماری بات بالکل ٹھیک ہے۔ واقعہ میں ۸۰ فیصدی ہمارے ساتھ ہیں۔ تو پھر ماننا پڑے گا کہ جو لوگ جنازہ میں شامل ہوئے ان میں ہمارے آدمی بہت تھوڑے تھے۔ اور باقی جس قدر تھے وہ منافقین تھے۔ جنہوں نے خود بھجوائے تا کہ ہم بدنام ہوں۔ اور اس صورت میں بھی ہم پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ غرض اس کا دوسرا پہلو یہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ جو جنازہ میں شامل ہوئے منافقانہ طور پر شامل ہوئے تھے۔ اور وہ دل سے احرار اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ تھے۔ تو پھر میرا جواب یہ ہے۔ کہ یہ کام تو آپ لوگوں نے خود کرایا ہے۔ کہ نعوذ باللہ اسّی فیصدی جو آپ کے ساتھ ہیں۔ ان کو آپ نے جنازہ پڑھنے کے لئے بھجوا دیا تا جماعت بدنام ہو۔

پس اگر جنازہ میں شامل ہونیوالے مخلص تھے۔ تو یہ جھوٹ ہے۔ جو کہتے ہیں۔ کہ جماعت کے ۸۰ فیصدی آدمیوں کا خلیفہ سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ دل میں بغض رکھتے ہیں۔ مگر زبان سے اظہار محبت کرتے ہیں۔ اور اگر وہ مخلص نہیں تھے۔ بلکہ منافق تھے۔ تو اس کا مجھ پر کیا اعتراض ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ وہ تو تمہارے آدمی تھے۔ جو تم نے خود وہاں بھجوا دئے۔ تا جماعت کو بدنام کروا دو اسے الزام کے نیچے لاؤ۔ اس صورت میں بھی نہ صرف یہ کہ میں بری ہوا بلکہ مجھ پر ظلم ہوا۔ کہ مجھے بلا وجہ بدنام کیا گیا۔ غرض اگر جماعت نعوذ باللہ من ذالک منافق ہے۔ اور ان کے ساتھ ہے۔ تو پھر یہ کام شرارت سے ہوا۔ مجھ پر کیا اعتراض ہے اور اگر لوگوں نے اخلاص سے کیا ہے۔ تو یہ جھوٹ ہوا۔ کہ جماعت احمدیہ اندر سے مخلص نہیں۔ اور اسّی فیصدی لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ پھر تو معلوم ہوا۔ کہ جماعت چند منافقین کو چھوڑ کر کلّی طور پر خلیفہ کے ساتھ ہے۔

اب میں

اصل جواب

کی طرف آتا ہوں۔ میں تمہید میں کہہ آیا ہوں۔ کہ جب قضا اپنا منشار پورا کرلے تو پھر جذبات اپنی قضا کا کام شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ میں بتا آیا ہوں کہ انسانی روح افعال سے دو طرح متاثر ہوتی ہے۔ ایک قضائی طور پر اور ایک جذباتی طور پر۔ بعض دفعہ قضائی فیصلہ اور ہوتا ہے۔ اور جذباتی فیصلہ اور۔ اور کبھی یہ دونوں فیصلے مطابق بھی ہوتے ہیں۔ مگر بہر حال قضائی فیصلہ کے بعد جذباتی قضا اپنا کام شروع کرتی ہے۔ مثلاً ایک جج کا بیٹا اگر قاتل ہے۔ تو جج اسے اسی طرح پھانسی کی سزا کا حکم سنائیگا جس طرح وہ ایک غیر کو پھانسی کی سزا کا حکم سناتا ہے۔ مگر غیر کو پھانسی کا حکم دیتے ہوئے اس کی دل کی وہ کیفیت نہیں ہوگی، جو اپنے بیٹے کو پھانسی کا فیصلہ سناتے وقت ہوگی

بیشک قضائی فیصلہ میں اس کا معاملہ اپنے بیٹے سے اور ایک غیر شخص سے بالکل یکساں ہوگا مگر جب جذباتی قضا کا فیصلہ آئے گا۔ تو اپنے بیٹے کو پھانسی ملنے کا تصور کرکے اس کا دل خون ہو جائے گا۔ اور اس کی حالت بالکل غیر ہو جائے گی۔

تو جذبات کی قضا اور اصول پر مبنی ہوتی ہے اور قانون کی قضا اور اصول پر مبنی ہوتی ہے۔ اس تمہید کو میں پھر یاد دلاتے ہوئے کہتا ہوں کہ بے شک میاں عزیز احمد صاحب نے جو فعل کیا وہ خلاف شریعت تھا اور ہم اسے برا ہی قرار دیتے ہیں اور قانون نے جو ان کو سزا دی ہم اس پر معترض نہیں۔ گو ہم میں سے بعض کہتے ہیں کہ انہیں پھانسی کی سزا نہیں ملنی چاہیے تھی۔ مگر بہرحال ہم انہیں سزا دینے کو برا نہیں کہتے۔ ہم کہتے ہیں جب ہائی کورٹ اور پریوی کونسل نے ایک فیصلہ کر دیا تو وہی ٹھیک ہے بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ خود ان کا اقرار تھا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ پس قانون نے ان کو جو سزا دی۔ اس پر ہم معترض نہیں اور ہم نے ان کو

سچ بولنے کا مشورہ

دے کر قضا کا حق ادا کر دیا چنانچہ ہم نے خود اپنے آدمی سے کہا کہ سچ بولو اور اگر اس کے بدلہ میں تمہیں پھانسی ملتی ہے تو بے شک پھانسی پر لٹک جاؤ۔ پس دیکھو ہم نے قانون کا منشا پورا کر دیا اور قانون نے جب سزا دی تو ہم نے اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ہم نے ان کے فعل کو علی الاعلان برا کہا۔ اخبارات میں لکھا کہ انہوں نے ناجائز کام کیا ہے اور بار بار کہا کہ ان سے غلطی ہوئی ہے۔ پس ہم نے تینوں حق ادا کر دیئے جو شریعت کا حق تھا وہ بھی ادا کر دیا جو قانون کا حق تھا وہ بھی ادا کر دیا اور جو اخلاقی لحاظ سے سچ بولنے کے متعلق حق تھا وہ بھی ہم نے ادا کر دیا۔ گویا

شرعی قانونی اور انسانی تینوں حقوق

ہم نے ادا کر دیئے۔ میاں عزیز احمد صاحب نے ایک جان لی۔ قانون نے اس کے بدلے میں ان کی جان لے لی۔ انہوں نے جان بھی دی اور اپنی غلطی کا اقرار بھی کیا چنانچہ انہوں نے مجھے متواتر خطوط لکھے کہ سلسلہ کی یہ تعلیم میرے ذہن میں اس وقت نہیں تھی اور مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ایسی حالت میں بھی انسان کو صبر سے کام لینا چاہیئے چونکہ وہ تعلیم یافتہ آدمی تھے۔ اس لئے سمجھا جا سکتا ہے کہ واقعہ میں انہیں سلسلہ کی اس تعلیم کا اس حد تک علم نہیں ہوگا۔ جس حد تک علم انسان کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔ پس انہوں نے مجھے بار بار لکھا کہ میرے ذہن میں یہ بات نہیں تھی کہ ایسے شدید اشتعال کے موقع پر بھی انسان کو ضبط سے کام لینا چاہیئے اور چونکہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس لئے میں توبہ کرتا ہوں اور آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ میرے قصور کو معاف کرے اور انہوں نے نہ ایک بار بلکہ بار بار ایسے خط لکھے۔ پس جب قانونی قضا کا فیصلہ ہو چکا اور جذباتی قضا کا موقع آیا تو اس نے دوسرے ضروری امور کو بھی دیکھا۔ قانونی قضا کا منشا صرف اتنا تھا کہ وہ ہمارے آدمی کی جان لے لے ہم نے کہا بہت اچھا جان لے لو۔ پس ہم نے قانون کے منشا کو پورا کر کے قانون کا حق اسے ادا کر دیا۔ پھر شریعت نے کہا میرا حق بھی مجھے ادا کرو۔ اور کہو کہ اس نے بہت برا فعل کیا ہے ہم نے کہا بہت اچھا آپ بھی اپنا حق لے لیں چنانچہ ہم نے علی الاعلان کہا۔ کہ میاں عزیز احمد صاحب نے خلاف شریعت فعل کیا ہے اور اخباروں میں اس پر مضامین لکھے۔ پھر انسانیت ہمارے سامنے آئی اور اس نے کہا کہ اگر ایسے افعال چھپ کر کئے جائیں تو خطرات بہت بڑھ جاتے ہیں۔ پس تم اس سے اقرار کراؤ کہ واقعہ میں میں نے قتل کیا ہے۔ اور اس طرح انسانی حق ادا کرو تا دوسروں کو عبرت ہو اور وہ ایسے افعال کا ارتکاب نہ کریں ہم نے کہا بہت اچھا چنانچہ ہم نے ان سے اقرار کروایا اور کہا کہ تم جو کچھ واقعہ ہوا ہے۔ سچ سچ کہہ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پس ہم نے شریعت کی طرف سے بھی براءت حاصل کر لی۔ ہم نے قانون کی طرف سے بھی براءت حاصل کر لی اور ہم نے انسانیت کی طرف سے بھی براءت حاصل کر لی۔ اس کے بعد

جذبات کا سوال

آیا۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارا بھی کوئی حق ہے یا نہیں۔ چنانچہ جذباتی قضا نے اس وقت کئی ضروری امور کو دیکھا اس نے دیکھا کہ (۱) میاں فخرالدین اور ان کے ساتھیوں نے سخت اشتعال انگیزی سے کام لیا تھا۔ اس حد تک کہ کمزور انسان کے لئے برداشت ناممکن تھی اور بعض دفعہ تو مضبوط لوگوں کے لئے بھی ایسے حالات میں برداشت ناممکن ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسلام میں بڑے بلند پایہ بزرگ ہوئے ہیں۔ وہ سب صحابہ سے بڑھ کر شان رکھتے ہیں۔ مگر دیکھو ایک موقع ایسا آیا جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اشتعال میں آ گئے۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے بازار میں چڑانے کے لئے کہہ دیا کہ مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے موسیٰ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر فضیلت دی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصہ میں آ کر اس یہودی کو تھپڑ مار دیا۔ حالانکہ اس نے کوئی گالی نہیں دی تھی۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آیا آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ناراض ہوئے۔ مگر انہیں کوئی سزا نہیں دی کیونکہ سمجھا کہ ضرر زیادہ نہیں اور اشتعال ناقابل برداشت تھا۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کمزور مومن نہیں تھے۔ مگر چونکہ انہوں نے جو فقرہ سنا گو وہ گالیوں والا نہیں تھا مگر ان کے لئے ناقابل برداشت تھا اس لئے انہوں نے تھپڑ مار دیا۔ پس ان حالات کو کونسی جذباتی قضا نظر انداز کر سکتی ہے۔ (۲) دوسرے ان کا جرم مذہب کے خلاف نہ تھا بلکہ مذہبی محبت کی وجہ سے تھا۔ (مذہب کے خلاف نہ ہونے سے میری یہ مراد نہیں کہ وہ مذہبی تعلیم کے خلاف نہیں تھا۔

بلکہ یہ مراد ہے کہ وہ مذہب کو نقصان پہنچانے والا نہیں تھا۔ یا خدا اور اس کے رسول پر حملہ نہیں تھا) اپنی بڑھیا اور معذور ماں کی محبت کو نظرانداز کرتے ہوئے اپنی جوانی کو قربان کرتے ہوئے کسی دنیوی غرض سے نہیں صرف دینی جوش کے ماتحت جو اپنی جان قربان کرتا ہے۔ اگر وہ مجرم ہے۔ تو ہم اس کے فعل کو بُرا کہہ سکتے ہیں۔ اور کہیں گے۔ اُسے جُرم کی سزا پانے کیلئے تیار رہنگے ایسے افعال کے روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرینگے لیکن ہم اس بات کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ کہ کرنے والے نے جو کچھ کیا غلط کیا۔ یا صحیح کیا۔

صرف دین کی محبت کیلئے کیا

اس کو ورغلایا گیا۔ اس کی ماں کو ورغلایا گیا۔ چنانچہ اس کو ورغلایا جانا اس کے بیانات سے ثابت ہے۔ اور اس کی ماں کو ورغلایا جانا اس طرح ثابت ہے۔ کہ وہ منٹگمری اپنے بیٹے سے ملنے کیلئے گئی۔ جب وہاں سے واپس آئی۔ تو بعض عورتوں کے پاس اس نے اپنے بیٹے کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہوئے کہا۔ کہ وہ کہتا ہے۔ میرا جرم یہی ہے کہ میں نے سچ بول دیا۔ اگر میں جھوٹ بول دیتا تو پھر تو میری امداد کے لئے بڑے بڑے وکیل پہنچ جاتے۔ مجھے جب یہ خبر پہنچی تو میں نے وہاں کی جماعت کو لکھا۔ کہ دریافت کیا جائے یہ کیا بات ہے۔ انہوں نے میاں عزیز احمد صاحب کے متعلق لکھا کہ وہ تو ہرگز کوئی شکایت بیان نہیں کرتے۔ آخر ان کی ماں نے بھی اقرار کیا کہ میں نے یہ بات اپنے بیٹے کی طرف غلطی سے منسوب کر دی تھی

اصل بات یہ تھی کہ جب میں وہاں اپنے بیٹے سے ملنے کیلئے گئی تو چوہدری محمد شریف صاحب وکیل میرے ساتھ تھے۔ وہ ایک وقت میرے بیٹے سے باتیں کر رہے تھے۔ تو بعض مسلمان ملازم جیل کے میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے کہا۔ کہ تم اس اس طرح جا کر باتیں کرو تو تمہارے بیٹے کی مدد کرنے پر یہ لوگ مجبور ہوں گے۔

غرض جبکہ ہم ان سے سچ بلوا رہے تھے احرار کے ہمدرد انہیں جھوٹ بولنے کی تلقین کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ تم اس طرح بیان دیدو۔ کہ میں نے خود اسے نہیں مارا بلکہ مجھے کہا گیا تھا کہ تو فخر الدین کو مار دے۔ لیکن اس نے ایک ہی بات رکھی۔ کہ جو گناہ ہو گیا سو ہو گیا۔ میں اور گناہ کرنے کو تیار نہیں۔ میں پہلے گناہ سے بھی تائب ہوں۔ چنانچہ جب ان کو اپنی ماں کی کمزوری کا علم ہوا تو انہوں نے سختی سے اُسے سمجھایا۔ اور کہا ماں میری عاقبت مت بگاڑ اور سنا ہے اس کی نصیحت اپنی ماں کو یہی تھی کہ میں نے گناہ کیا۔ اور اس سے توبہ کی اور میں اپنے قصور کی سزا پالوں گا۔ اب

توبہ اور دعاؤں کے بعد

میرے دل کو تسلی ہے۔ کہ میرا گناہ معاف ہو جائیگا۔ اور میں خوشی سے اس سزا کو برداشت کرنے کیلئے تیار رہوں۔ پھر جب پریوی کونسل میں اپیل دائر کرنے کا سوال آیا۔ تو انہوں نے اپنی ماں سے کہا کہ ہونا ہوا نا کچھ نہیں۔ مجھے پھانسی پر ضرور لٹکایا جائے گا۔ اور میں اس سے گھبراتا نہیں۔ اے ماں تم بھی میرے بعد گھبرائیو نہیں۔ پھر سنا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی ماں سے کہا۔ ماں میں نے جو کچھ کیا تھا۔ اپنے ذہن میں خدا کے لئے کیا تھا اس لئے میری نیت کو خراب نہ کیجیو اور میری لاش پر روئیو نہیں۔ بلکہ اس پر پھول ڈالیو تا دنیا سمجھ لے کہ میں اپنے گناہ پر تو افسوس کرتا ہوں۔ مگر میں اپنی سزا سے ڈرتا نہیں۔ چنانچہ اس کی ماں نے سنایا کہ میرا بیٹا مجھ سے منتیں کرتا تھا۔ اور کہتا تھا ماں میری لاش پر روئیو نہیں۔ میں نے جو گناہ کیا تھا اس کی سزا بھگتنے کیلئے تیار ہوں۔ اب تم دشمن کو خوشی کا موقعہ نہ دینا۔ ان واقعات کے ہوتے ہوئے

جذباتی فضا کب غیر متاثر رہ سکتی ہے

فتح مکہ کے وقت ایک انصاری نے جو ایک دستۂ فوج کے افسر تھے اور جن کا نام غالباً عبادہ بن صامت تھا۔ ابو سفیان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ کہ اب دیکھو مکہ میں چل کر ہم تمہاری کیسی خبر لیتے ہیں اور جو جو تکلیفیں تم نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضؓ کو پہنچائی ہیں۔ ان کا کس طرح انتقام لیتے ہیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا علم ہوا۔ تو آپ نے اسے فوج کی کمانڈ سے علیحدہ کر کے معمولی سپاہی بنا دیا۔ اور اس کے بیٹے کو اس کی جگہ افسر مقرر کر دیا لیکن کیا تم سمجھتے ہو۔ یہ الفاظ سنکر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت عبادہ کے متعلق نفرت کا جذبہ پیدا ہوا ہوگا۔ آخر عبادہ کو ابو سفیان سے کیا عداوت تھی۔ وہ کفر کے زمانہ میں شائد ابو سفیان کا نام بھی نہ جانتے ہوں گے مگر جب اسلام لانے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ مکہ والوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضؓ کو کیا کیا اذیتیں پہنچائی ہیں تو ان کا دل جوش سے بھر گیا۔ اور فتح مکہ کے وقت غلطی سے ان کے مونہہ سے یہ الفاظ نکل گئے۔ کہ اب دیکھو گے ہم تم سے کس طرح انتقام لیتے ہیں۔ پس گو انہوں نے یہ الفاظ کہے اور غلط طور پر کہے۔ مگر کون شخص کہہ سکتا ہے۔ کہ انہوں نے یہ الفاظ اپنی ذات کے لئے کہے۔ انہوں نے یہ الفاظ

محض اسلام اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جوش میں

کہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں سزا دی۔ اور اتنی سخت سزا دی کہ انہیں افسری سے ہٹا کر سپاہی بنا دیا۔ آج اگر کسی جرنیل کو سپاہی بنا دیا جائے تو وہ فوراً استعفےٰ دیکر بھاگ جائے مگر انہوں نے خوشی سے اس سزا کو قبول کیا۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کے متعلق نفرت کے جذبات پیدا ہو گئے ہونگے۔ یا کوئی بھی مسلمان ہے جو یہ واقعہ پڑھکر عبادہ بن صامت سے نفرت کر سکے؟ وہ ان کے فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا۔ وہ ان کے فعل کو

روکنے کی کوشش کرے گا۔ مگر وہ اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتا کہ انہوں نے اپنے لئے نہیں بلکہ گو نادانی سے کیا مگر پھر بھی خدا کے لئے یہ فعل کیا۔ اسی طرح احمدی جب میاں عزیز احمد کا خیال کرتے ہونگے تو لازماً ان کے دل میں یہ خیال آتا ہوگا۔ کہ اس نوجوان نے اپنی جان ضائع کی۔ اور سلسلہ کو بدنام کیا۔ لیکن جو کام کیا اپنے نفس کے لئے نہیں کیا۔ بلکہ اس غلط خیال کے ماتحت کیا کہ میں سلسلہ کی خدمت کر رہا ہوں۔ اس لئے اللہ تعالے اس کی توبہ کو قبول ہی کرے۔ حق یہ ہے کہ اگر ہمارے نوجوانوں کے اندر یہ روح پیدا ہو جائے کہ جب کسی کو گالیاں دیتے سنیں تو اٹھ کر اس پر حملہ کر دیں تو اس کا دوسرے لوگوں کو اتنا نقصان نہیں ہو سکتا۔ جتنا ہمیں نقصان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تو کروڑوں ہیں اگر ان میں سے دو چار مر جائیں تو انہیں زیادہ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن ہمیں ایسے واقعات سے شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے کیونکہ ہماری بدنامی ہوگی ہماری دینی روح کمزور ہوگی اور نوجوانوں کا ایک حصہ ضائع ہوگا۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ان باتوں کو روکیں اور اگر کوئی کسی کو قتل کی انگیخت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دوسرے کو مار دینے میں کوئی حرج نہیں۔ تو ہم یقیناً اسے قومی دشمن کہیں گے۔ چاہے اس نے دانستہ ایسا کہا ہو یا نادانستہ جو شخص بھی کہتا ہے کہ ہمارے بعض نوجوانوں نے یہ اچھا فعل کیا۔ وہ یقیناً ہمارے سلسلہ کا دشمن ہے کیونکہ اس سے دشمن کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جتنا ہمیں پہنچ سکتا ہے۔ اگر ہمارے دلوں میں سلسلہ کی ایک ذرہ بھر بھی محبت ہو تو ہمارا فرض ہے کہ ہمارے بڑے بھی اور چھوٹے بھی۔ عالم بھی اور جاہل بھی۔ مرد بھی اور عورتیں بھی یہ پختہ عہد کر لیں کہ وہ ایسے افعال کو روکنے کی انتہائی کوشش کریں گے۔ اور اس بات کی جدوجہد کریں گے کہ آئندہ کوئی ایسا واقعہ رونما نہ ہو۔ لیکن باوجود اس ضرورت کو سمجھنے کے

میاں عزیز احمد سے احمدی نفرت نہیں کر سکتے تھے

ان کے دماغ کے پس پردہ یہ خیالات موجزن ہونگے۔ کہ انہوں نے گو ایک ناجائز فعل کیا مگر خدا تعالےٰ کی رضا کے لئے کیا۔ کسی ذاتی غرض یا دنیوی فائدہ کے لئے نہیں کیا۔ ان کی ماں کمزور اور بڑھیا تھی۔ وہ اس کی تکلیف کو سمجھ سکتے تھے۔ چنانچہ اب ان کی موت کے بعد جو اس غریب کی کیفیت ہے۔ اسے دیکھ کر ہر شخص کو رحم آتا ہے۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میاں عزیز احمد کا وہ ذکر کرتی ہے اپنی مٹھیاں بھینچ لیتی ہے منہ سے لفظ نکلنے بند ہو جاتے ہیں اور سر سے لے کر پیر تک تھر تھر کانپنے لگ جاتی ہے۔ غرض اسے دیکھ کر دل رحم سے بھر جاتا ہے مگر عزیز احمد کو یہ کوئی خیال نہیں آیا کہ اس کے اس فعل کے نتیجہ میں اس کی ماں کا کیا حال ہوگا۔ اس کے بھائی کا کیا حال ہوگا وہ جذبات کی رو میں بہہ گیا۔ اور وہ دنیا کا مجرم۔ قانون کا مجرم اور خدا کا مجرم بن گیا۔ لیکن بہرحال اس نے یہ فعل کسی دنیوی غرض سے نہیں کیا۔ بلکہ محض اس لئے کیا کہ اپنے مذہب کے خلاف گالیاں سننا میری برداشت سے باہر ہے۔ پس ان خیالات کا احمدیوں کی طبیعت پر اثر ہوگا جوان کو جنازہ پڑھنے گیا

یہ کہ ہر شخص کے کیا خیالات تھے یہ تو اسی سے پوچھ کر معلوم ہو سکتے ہیں لیکن میں یہی سمجھتا ہوں۔ کہ اکثر احمدیوں کے دلوں پر مذکورہ بالا خیالات کا اثر ہوگا۔ اور گو معین صورت میں یہ خیالات ان کے دماغ میں نہ آتے ہوں۔ مگر جب وہ جنازے پڑھنے گئے تو ان کے سبکونشس مائنڈ میں ضرور یہ خیالات پیدا ہو رہے ہونگے کہ میاں عزیز احمد نے برا فعل کیا۔ ان کے فعل کی وجہ سے جماعت بدنام ہوئی۔ مگر انہوں نے اپنے نفس کی وجہ سے یا جماعت کو بدنام کرنے کے خیال سے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ محبت کے غلط جوش میں ایسا کیا۔ ہمارے مخالفوں نے اپنا حق لے لیا اور جان کے بدلے جان دے دی گئی۔ قانون نے اپنا حق لے لیا کہ مجرم کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اب ہمارے دلوں کی باری ہے کہ انہیں بھی ان کا حق دیا جائے۔ اور انہوں نے زبان حال سے ان کی نعش کو کہا کہ اے بھائی تو نے قانون کا قصور کیا۔ تو نے شریعت کا قصور کیا تو نے نادانی سے جماعت کو بدنام کیا۔ لیکن کسی ذلیل خواہش سے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ تو نے نادانی سے یہ خیال کیا کہ میں اس طرح دین کی خدمت کر رہا ہوں ہم تیرے اس فعل کو برا کہہ چکے ہیں۔ کہ تو نے دین اور قانون کے خلاف فعل کیا مگر اب جب کہ تو اپنی سزا بھگت چکا ہے۔ ہم تیرے دین کی خاطر قربانی کرنے کے جذبہ پر

عقیدت کے پھول

چڑھانے آئے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک کا حق اسے ملنا چاہیئے۔ ہمارا دماغ تیرے پھانسی پانے سے اپنا حق لے چکا۔ اب ہمارا دل تیرے لئے مغفرت کی دعا کر کے اپنا حق لینا چاہتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں۔ اسی قسم کے جذبات تھے۔ جو لوگوں کو کھینچ کر لائے اور اگر وہ اپنے دلوں میں ایسے افعال کو برا سمجھتے تھے۔ اگر وہ ارادہ رکھتے تھے۔ کہ ایسے افعال آئندہ کبھی نہیں ہونے دیں گے۔ تو وہ ہرگز مجرم نہیں تھے بلکہ وہ

کامل انصاف

چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ قانونی تقضا کا حق دینے کے بعد اب جذباتی تقضا کا حق ادا کر رہے تھے۔

بڑائی بڑی قربانیوں سے ہوتی ہے

سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔
جنہوں نے چندے لکھوائے ہوئے ہیں۔ ان کو تحریک کریں کہ فوراً ان کو ادا کریں۔ بلکہ کوشش کریں۔ کہ اس جلسہ تک (جس کی ۳۱ جولائی تاریخ مقرر ہے) تحریک جدید کے تمام چندے ادا ہو جائیں۔ اور جنہوں نے گذشتہ وعدے پورے نہیں کئے۔ ان کو تحریک کریں کہ وہ آئندہ ہی پورے کریں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنیں۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب نے سکندر آباد دکن کی جماعت کا وعدہ جو ۱۸۲۱/- روپیہ کا تھا۔ ماہ جولائی میں سو فیصدی پورا کر دیا ہے۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ اسی طرح حیدر آباد دکن کی جماعت بھی اپنے وعدے کا جو ۲۴۰/- ہے ۹۷ فی صدی تو بھیج چکی ہے۔ اور ۳۱ جولائی تک امید ہے کہ ان کی وصولی ۸۰/- ہو جائے گی۔ بڑی بڑی جماعتوں کو خصوصیت کے ساتھ اس طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ بڑائی بڑی قربانیاں دکھانے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس ہر سکرٹری مال تحریک جدید کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ان کو خاص طور پر اس تاریخ تک جماعت کا وعدہ پورا کرنے کا خیال رکھنا چاہیئے۔ نیز زمیندار جماعتوں اور ان کے سکرٹری صاحبان کو اپنے وعدوں کے پورا کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ جن جماعتوں نے تحریک جدید کے دو سکرٹریوں کا انتخاب نہیں کیا۔ وہ بھی انتخاب کر کے جلد اطلاع دیں۔ (فنانشل سکرٹری تحریک جدید)

الفضل کا مطالعہ ہر احمدی کیلئے کیوں ضروری ہے

اس لئے کہ

(۱) اس میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ اور خاندان نبوت کے متعلق اطلاعات شائع ہوتی ہیں۔

(۲) مقدس امام کے روح پرور خطبات اور تازہ ارشادات چھپتے ہیں۔

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کی روشنی میں معاندین اسلام و احمدیت کے اعتراضات کا رد کیا جاتا ہے۔

(۴) سلسلہ احمدیہ کے تازہ اور اہم حالات شائع کئے جاتے ہیں۔

یہ وہ امور ہیں جن کا ہر احمدی کے لئے پڑھنا اور جاننا ضروری ہے پس کیا وہ احباب جو اس وقت الفضل کے خریدار نہیں۔ اپنے قومی و ملی فرض کو محسوس کرتے ہوئے اس کے خریدار بنیں گے۔ (مینیجر)

قدردانان الفضل سے ضروری استدعا

الفضل کی قلت اشاعت کی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جماعت کا ایک کثیر حصہ ایسا ہے۔ جو استطاعت رکھنے کے باوجود الفضل نہیں خریدتا۔ پھر پڑھنے والوں میں سے بھی ایک طبقہ ایسا ہے۔ جو خود اخبار نہیں خریدتا۔ بلکہ ادھر ادھر سے لے کر پڑھ لیتا ہے۔ ان حالات میں ہم الفضل کے قدردان اصحاب سے پرزور درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ ہر صاحب استطاعت احمدی کو اخبار کا خریدار بننے کی تحریک کریں اور دوسری طرف ایسے لوگوں کو اخبار پڑھنے کے لئے نہ دیں ...

ریل اور سڑک کے مشترکہ ٹکٹ

سرینگر (کشمیر) مری ڈلہوزی منڈی اور سلطانپور (کلو) تک

نارتھ ویسٹرن ریلوے کے تمام اہم سٹیشنوں سے مندرجہ بالا مقامات تک بکنگ کے لئے ریل اور سڑک کے مشترکہ واپسی ٹکٹوں کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔ اور اسی طرح ای۔ آئی۔ جی۔ آئی۔ پی و بی بی اینڈ سی آئی اور بی اینڈ این ڈبلیو ریلویز کے بعض سٹیشنوں سے کشمیر تک سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں۔

مصور اور رنگدار پمفلٹ کے لئے جس میں تمام تفصیلات درج ہیں

ایجنٹ نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور

یا میسرز این۔ ڈی۔ رادھاکشن اینڈ سنز۔ این ڈبلیو۔ آر۔ آؤٹ ایجنٹس راولپنڈی جموں (توی) یا سرینگر (کشمیر) سے درخواست کیجئے

سفر کیلئے تسہیلات

سفر کرنے والی پبلک کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی جاتی ہے۔ کہ اپریل ۱۹۳۸ء سے سیٹیں۔ برتھ۔ ڈبے اور گاڑیاں صرف ٹکٹ پیش کرنے پر ریزرو کرائی جا سکتی ہیں۔ اول اور دوم درجہ کے مسافر اور ان کے تیسرے درجہ میں سفر کرنے والے ملازم اپنی تاریخ اجرائے سفر سے پندرہ روز پہلے تک کے عرصہ میں ٹکٹ خرید سکتے ہیں۔ پبلک کو یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے۔ کہ ٹکٹ خریدتے وقت اس پر بکنگ کلرک سے اس کے دستخطوں کے ساتھ وہ تاریخ لکھوالیں۔ جس تاریخ کو کہ وہ اپنا سفر شروع کرنا چاہتے ہوں :۔

مزید تفصیلات کیلئے اپنے قریبی ریلوے سٹیشن ماسٹر

یا

چیف اپریٹنگ سپرنٹنڈنٹ نارتھ ویسٹرن ریلوے

لاہور سے درخواست کریں

عربی ٹائپ رائٹر

ایک خوبصورت عربی ٹائپ رائٹر سیکنڈ ہینڈ برائے فروخت موجود ہے۔ ایک سو پچیس ۱۲۵ روپے تک مل سکتا ہے۔ خط و کتابت بنام الف معرفت جناب ایڈیٹر صاحب الفضل قادیان ہو

نرالی دوستی

سچا دوست آج کل بہت کم نصیب ہوتا ہے۔ دنیا میں خود غرضی اتنی بڑھ گئی ہے۔ کہ کسی پر یقین کرنا مشکل ہے۔ لیکن بیجان چیزیں اپنی خوبیوں سے ہمیشہ ایک جیسی ہماری خدمت کرتی ہیں۔

"امرت دھارا"

اپنے حیرت انگیز اثر سے آپکی آپکے گھر دوستوں کی بیماری سے حفاظت کرتی ہے مصیبت کے وقت ایک پورے ڈاکٹر کا کام دیتی ہے۔ اس کا استعمال اچانک ہونے والی اندرونی و بیرونی امراض و حادثات میں کھانے و لگانے سے بہت جلد فائدہ دیتا ہے۔ سر درد۔ پیٹ درد۔ کان درد۔ دانت درد۔ بدہضمی قے دست ہیضہ زکام نزلہ بخار کھٹمل بچھو سانپ وغیرہ کا ڈنگ چوٹ زخم پھوڑا پھنسی اور ایسے ہی اور بیسیوں امراض پر آپ اطمینان سے استعمال کر سکتے ہیں۔ نقلوں سے بچیں۔ ایکبھی وقت پر دھوکا دیگی!! قیمت فی شیشی سالم دو روپیہ آٹھ آنہ ۲/۸ نصف شیشی سوا روپیہ ۱/۴ نمونہ آٹھ آنہ ۸/

پتہ :۔ امرت دھارا ۱۵ لاہور

بیوٹیفل کلاتھ پرنٹنگ ورکس قادیان

سب ربانی پرنٹنگ ۔ قادیان دارالامان

۱۔ قادیان کی بڑھتی ہوئی آبادی کی اہم ضرورت کو پورا کرنے کیلئے گورنمنٹ ڈائنگ اینڈ کیلیکو پرنٹنگ کلاس شاہدرہ کے سندیافتہ ماہر فن کی زیر نگرانی کلاتھ پرنٹنگ کا کام شروع کیا گیا ہے۔ ۲ کام نہایت خوبصورت نئے نئے نمونوں کے مطابق تیار کیا جاتا ہے۔ ۳۔ رنگ پختہ لگایا جاتا ہے۔ جس کی گارنٹی دی جاتی ہے۔ ہم بیڈ شیٹ پلنگ پوش۔ میز پوش۔ دستر خوان۔ رومال زنانہ دوپٹے۔ فرش اور خیمہ جات چھاپے جاتے ہیں۔ اجرت واجبی لیجاتی ہے۔ مقررہ وقت پر کام کرکے دیا جاتا ہے ۴۔ امرتسر وغیرہ سے مال خریدنے یا تیار کروانے سے پہلے ہمارے ہاں تشریف لاکر کام کو ملاحظہ فرمائیں۔ پروپرائٹر:۔ حاجی محمد اسمٰعیل محلہ دارالبرکات قادیان

مصفی اعظم جلدی امراض کے لئے ہمارا مخصوص شربت ہے۔ اس کے استعمال سے ہر قسم کے پھوڑے پھنسیاں داد خارش سب دور ہو جاتے ہیں۔ جلد صاف اور ملائم رہتی ہے۔

حیات نسواں سیلان الرحم (لیکوریا) کے باعث مریضہ کا جسم لاغر کمزور چہرہ کا زرد اور بے رونق رہنا۔ دل کی دھڑکن محسوس کرنا چلتے پھرتے تمام کاج کرنے میں سستی محسوس کرنا سر کا چکرانا پیڑو و کمر میں درد کا رہنا ان سب شکایات کو صرف حیات نسواں ہی دور کرکے حیات تازہ بخشتی ہے۔

حب عنبری خاص بالکل بے ضرر۔ زود اثر ہے۔ دواخانہ کے نہایت قابل و ہوشیار طبیب عورتوں کے زنانہ امراض میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ علاج و مشورہ بذریعہ خط و کتابت بھی کیا جاتا ہے۔ دواخانہ کی مخصوص فہرست مفت طلب کریں۔

ویدک یونانی دواخانہ لمیٹڈ زینت محل دہلی